

روشنی کے مینار، قدیم فضلاءِ دیوبند!

از: ساجد احمد صدوی، شعبہ تخصص فی علوم الحدیث،
جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل ٹاؤن، کراچی

زمانہ دیکھے ہوئے لوگ زندہ تاریخ ہوا کرتے ہیں، ان کی باتیں، ان کی معلومات، خیالات اس عہد کی یاد دلاتے ہیں جس کو وہ پیچھے چھوڑ کر آئے ہوتے ہیں، ان کی زندگی، ان کے مشاہدات، تجربات اس ماحول، مجالس، معاشرہ کی جھلک پیش کرتے ہیں، جس کو اب صرف تاریخ کے بے جان اوراق میں ہی دیکھا جاسکتا ہے، جو شخصیات لمبی عمر پاتی ہیں، وہ پچھلی زندگی، اس کی روایات، اس کے مسائل، چھوٹے بڑے واقعات، حالات، تجربات، قصے کہانیوں اور سر بستہ رازوں کی حقیقت جاگتی کتابوں کا درجہ رکھتی ہیں؛ بلکہ کتابوں میں مذکور مواد کی بھی تصدیق و تردید، مبہم کی توضیح، اجمال کی تفصیل انہی سے حاصل ہوتی ہیں؛ تاریخی پیچیدگیوں کو وہی حل کرتے ہیں واقعات، تاریخ ان کے سامنے رقم ہوئی ہوتی ہے، وہ اس کے عینی شاہد اور داخلی رموز و اشارات کے شناسا ہوتے ہیں۔

مستقبل کے لیے تیاری، حال میں ہوتی ہے اور حال کے لیے ماضی سے مضبوط رشتہ استوار رکھنا، اس کی ہر اونچ نیچ سے واقف ہونا، ہر زندہ قوم کے ہاں ایک بدیہی اور ضروری امر تصور کیا جاتا ہے؛ مگر عموماً ماضی کو پڑھنے کے لیے انسان کو بعد میں لکھی ہوئی تحریروں سے ہی اپنا کام نکالنا پڑتا ہے، پھر جس قدر راوی کی ثقاہت، اس کی عدالت ہوتی ہے، اسی کے بقدر تاریخ کا فنی مرتبہ متعین ہوتا ہے، بسا اوقات ماضی کو پڑھنے کے لیے بعد میں لکھی ہوئی ایسی تحریروں پر اعتماد کرنا پڑتا ہے، جس میں زبان و بیان کے طبعی فرق کے ساتھ ساتھ صاحبِ قلم کی ترجیحات کا بھی پورا اثر ہوتا ہے، ایسی صورت میں ایک سنجیدہ قاری تاریخی روایات میں باہم مقابلہ کرنے اور تنقیدی نظر سے دیکھنے کا محتاج ہوتا ہے، جس کے لیے پچھلے دور کو دیکھی ہوئی شخصیات سب سے بڑا سہارا ہوا کرتی ہیں، وہ فنی سوالات کا جواب دیتی ہیں، اشکالات کو دور کرتی ہیں اور کھرے کھوٹے

کافرق آسانی سمجھا دیتی ہیں۔

علمی، فنی اور تاریخی جہات کے علاوہ بھی ان طویل العمر شخصیات کی اہمیت، قدردانی اور مقام و مرتبہ شناسی کے کئی پہلو ہیں، امت مسلمہ کا تابناک، مثالی دور وہ ہے، جو گزر چکا ہے؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انسانی تاریخ کا عظیم دورانیہ بھی وہی ہے، جس میں انسانیت کی عظیم شخصیات حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام بالخصوص سید الانس والجان حضرت حبیب خدا رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم المرتبت شخصیت موجود تھی، کامیابی و کامرانی، انسانیت شناسی، معرفت خدا وندی، رفع درجات، ترقی حقیقی کے لحاظ سے وہی دور انسانیت کا سب سے تابناک اور حسین دور تھا؛ اس لیے جو لوگ اس کے قریب ہیں، ان کی نسبتیں عالی سمجھی جاتی ہیں، وہ خیر و برکت کے سرچشمے، علوم و معرفت کے خزانے ہوا کرتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند متحدہ ہندوستان کی پچھلی ڈیڑھ سو سالہ تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، اگریوں کہا جائے کہ اس خطے کی پچھلی ڈیڑھ سو سالہ تاریخ بلکہ اسلامی دنیا کی تاریخ کو، اس کے بیچ و خم کو، اس کے اہم واقعات، عوامل کو سمجھنے کے لیے جنوبی ایشیا کے اس عظیم ادارے اور اس سے وابستہ افراد و شخصیات کی تاریخ، ان کی زندگی، کارنامے اور خدمات کی طویل فہرست سے واقفیت ضروری ہے، تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا، بلاشبہ دارالعلوم دیوبند اپنے زبردست کردار، عظیم شخصیات کے ساتھ پچھلے ڈیڑھ سو سال سے مسلم دنیا پر واضح اثرات رکھتا رہا ہے، اسی درس گاہ کی تعلیم و تربیت اور کارناموں کی بدولت برصغیر کے مسلمان عجی ہونے کے باوصف دنیا کے نئے منظر نامے پر ایک بڑے عامل کے طور پر اپنی شناخت رکھتے ہیں، راسخ العقیدہ مسلمانوں کی اس عظیم جمعیت کا مستقبل جن خطوط پر استوار ہوگا اور اس کے لیے جو لوگ میدان عمل میں کام آئیں گے، ان کے لیے اپنی موجودہ حالت کو اس رخ پر لے جانا ہوگا، جس طرف کو دیوبند کی قدسی صفات شخصیات لے جانا چاہتی تھیں۔

آج کے مقتدایان قوم و ملت کو اپنا رشتہ متحدہ ہندوستان کی ان شخصیات سے وابستہ کرنا ہوگا، جو اس عظیم جمعیت کے لیے پیشوا کی حیثیت رکھتی ہیں، ان کی زندگی، کارکردگی، اثرات و نتائج میں ”تائیدِ غیبی“ اور ”اجتباءِ خاص“ کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرنا ہوگا؛ کیونکہ دارالعلوم دیوبند اور اس سے وابستہ رجال کار کی تاریخ کا تعلق براہِ راست جنوبی ایشیا کے مسلمانوں سے ہے، جو اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق و تائید سے اپنی علمی صلاحیت، عملی قوت، ایمان و غیرت کی دولت

اور کثرتِ تعداد کی بدولت عرب و عجم کے مسلمانوں کو اپنے زیر اثر رکھے ہوئے ہیں، اور یوں پوری مسلم و غیر مسلم دنیا ان کے لیے محنت کا میدان بنی ہوئی ہے، اور برابر اپنی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے ہر جگہ ان کی رسائی ہو چکی ہے، اور دنیا کی تمام قومیں ان سے ایمان و اسلام کا درس لے چکی ہیں۔

نسبتِ دیوبند کا مقام و احترام:

دارالعلوم دیوبند اور اس سے وابستہ رجالِ کار کی اس تابناک تاریخ کی بنا پر آج بھی دیوبند اور دیوبندی تمام تر سازشوں، پروپیگنڈوں اور دھونس دھمکیوں کے باوجود مسلم دنیا میں عظمت و احترام اور غیرت و حمیت کا نام ہے، اور اس کے بالمقابل کفر و نفاق کی دنیا میں وہ اسلام اور مسلمانوں کے محافظ ہونے کی وجہ سے حسد، کینہ اور عداوت کے سب سے بڑے مورد ہیں، جس کے اثرات کو ختم یا کم کرنے کے لیے وہ اپنے تمام تر وسائل کو بروئے کار لائے ہوئے ہے۔

جو لوگ اس عظیم ادارے سے وابستہ رہے ہیں، جن کی جدوجہد، لگن، خون پسینے کا نام دیوبند ہے، خود ان کا وجود، ان کی زندگی بھی مسلم دنیا میں عظمت و احترام کی بڑی علامت ہے؛ یہی وجہ ہے کہ فضلاءِ دیوبند سے رشتہ تلمذ کو قابلِ فخر سمجھا جاتا ہے، ان کی رائے کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، ان کے قول و فعل سے راہنمائی لی جاتی ہے، ان سے نسبت جوڑنے کے راستے تلاش کیے جاتے ہیں، آج بھی عرب و عجم میں جہاں جہاں لوگ اسلامی علوم و فنون سے وابستگی رکھتے ہیں، اور اس کے درس و تدریس، تصنیف و تالیف کا مشغلہ اپنائے ہوئے ہیں، وہ کسی نہ کسی طرح اپنی علمی نسبت فضلاءِ دیوبند و اکابرِ دیوبند کی طرف کرنے کی کوشش کرتے ہیں، متحدہ ہندوستان سے جو لوگ جازِ مقدس یا دوسرے بلادِ عربیہ کا سفر اختیار کرتے ہیں، علم کے سچے طالب بڑے شوق و رغبت سے ان کے آگے زانوئے تلمذتہ کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے لیے امنڈ آتے ہیں اور ان سے اجازتِ حدیث و علوم حاصل کر کے یوں فرحان و شاداں ہونے لگتے ہیں، جیسے برسوں کی متاعِ گم گشتہ اُن کے ہاتھ لگی ہے۔

حاسدوں، دشمنوں نے طرح طرح کی ترکیبیں کیں، سازشوں کے جال بُنے، لوگوں کو بدگمان کرنے کی ہزار تدبیریں کیں، کسی نے ”مجبہول التعریف“ بغاوت، دہشت گردی کا وایلا کیا، کسی نے ”حسام“ اور ”الدیوبندیہ“ کا راگ آلاپا، کسی نے محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم سے

رشتہ عشق و محبت کاٹنے کی ناکام کوشش کی، تو کسی نے ختم نبوت پر کامل یقین کی سزا دینا چاہا، کسی کو اہل بیت نبوت سے دور کرنے کی سوجھی، تو کسی کو حدیث نبوی سے الگ کرنے کی ترکیب مفید نظر آئی، کسی نے لوہے کی سلاخیں دکھا کر دھمکایا، تو کسی نے زروزن کی ہتھکڑیاں ڈالنے کی کوشش کی، کوئی ان کو ترقی معکوس کی راہ میں رکاوٹ سمجھتا رہا، تو کوئی حریت بد فکری و بد عملی کا مخالف ہونے پر نشانہ بنائے رہا، کوئی تقلید کا طعنہ دیتا رہا، تو کوئی غیرت و حمیت دینی کو فلسفہ عدم برداشت باور کراتا رہا، کفر و نفاق کی فوجوں نے، ان کے زر خرید غلاموں، چندنگلوں میں بگنے والے سیاستدانوں اور اے بی سی پل بھر میں بدلنے والے دانشوروں، سب نے اپنا اپنا حصہ ڈالا، زور آزمائی کی، اور برابر کرتے رہے؛ مگر اللہ تعالیٰ کی تدبیر سب پر غالب رہی، اس نے شیطانوں کے تمام تر منصوبے، پروگرام خاک میں ملادئے، سچ ہے:

جسے اللہ رکھے، اسے کون چکھے

ہمارے ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان کے تمام اہم دینی اداروں اور مؤثر شخصیات کا ”علمی اور روحانی نسب نامہ“ دیوبند کی اسی عظیم درس گاہ سے جالمتا ہے، علمیت و روحانیت کے لبالب چشموں کے سوتے اسی خاک دیوبند میں ہیں، جہاں علم و عمل کے دریا بہتے ہیں، جس کے باغ و بہار کی مہک اقصائے عالم کو پہنچی ہے، جس کے بلند قامت درخت آسمان بلندی کو چھوتے ہیں، آفتاب ختم نبوت کی ضیا پاشیوں سے جس کی آبیاری کی جاتی رہی ہے۔

آج ہم اس عظیم مرکز کی ڈیڑھ سو سالہ تاریخ کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے یہ جرأت کر سکتے ہیں؛ مگر یہ ظاہر بین نگاہوں کی باتیں ہیں، ۱۵، محرم الحرام ۱۲۸۳ھ، مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء، پنجشنبہ کو نہایت بے سروسامانی کے عالم میں ”چھتہ مسجد“ کے کھلے صحن میں انار کے ایک چھوٹے سے درخت کے سایہ میں، جس ادارہ کی بنیاد رکھی جا رہی تھی، اور ایک استاد، ایک شاگرد سے جس کا رخ فقری کی عمارت بلندی جا رہی تھی، ابھی اس کو تیرہ سال ہی گزرے تھے، کہ اس کی عظیم برکات اور فیوض کا سلسلہ اتنا عام ہوا، کہ یکم صفر ۱۲۹۶ھ کو ایک مردِ مینا حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے، جلسہ انعام کے موقع پر ارشاد فرمایا:

”خداوند کریم کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے، کہ تیرہواں سال اس مدرسہ کا جس کو ”دارالعلوم“ کہنا بجا ہے، بخیر و خوبی پورا ہوا، اس ٹھوڑے سے عرصے میں اسلام اور اہل اسلام کو بے شمار نفع پہنچا، بے اختیار اس کے حق میں یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔“

تم سلامت رہو، ہزار برس
اور ہر برس کے ہوں دن، پچاس ہزار“

(روداد ۱۲۹۵ھ ص: ۱۶، و ۱۲۹۶ھ ص: ۱۱، بحوالہ تاریخ دارالعلوم دیوبند، از سید محبوب رضوی، ص: ۱۸۸، طبع اول)

اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ، تواضع و انکساری اور دور بین نگاہی کی حامل مردِ مینا کی یہ بات کس قدر واقعہ و حقیقت کے مطابق ہے، ہم جیسے ظاہر بینوں کو بھی روزِ روشن کی طرح نظر آرہی ہے۔

وطن عزیز میں موجود قدیم فضلاء دیوبند:

نبوی علوم کے وارث، قدیم فضلاء دیوبند کی تعداد اب بہت کم ہوتی جا رہی ہے، ماضی قریب میں بھی نہایت اہم شخصیات، قدیم فضلاء دیوبند ہم سے رخصت ہو چکے ہیں، رفتہ رفتہ ان کے وجودِ مسعود سے سر زمین خالی ہوتی جا رہی ہے، تاہم اب بھی روشنی کے چند مینا رایتادہ ہیں، جن کی نورانی شعاعوں سے مسافرِ ان منزلِ ظلمتوں میں راہ پاتے ہیں، جن کے دم قدم سے علم و عمل اور خیر و برکت کی مجلسوں کی رونقیں بحال ہیں، ”حریتِ بد فکری“ اور ”حریتِ بد عملی“ کے لیے ”پرکشش نام ولیل“، استعمال کرنے والوں کو مسلسل ناکامی کا سامنا ہے، فنون، آزمائشوں کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ”حق و ثبات“ کے دیئے روشن کیے ہوئے ہیں، یاس و ناامیدی کی گھڑیوں میں امید کی آخری کرن ہیں، تمام علوم و فنون، بالخصوص حدیث اور علوم حدیث میں سلفِ صالحین سے نسبتیں جوڑنے کا واسطہ و وسیلہ ہیں، اجازت کے مبارک، متواتر سلسلے کے حصول کے لیے مرجع ہیں، اور بے شمار خوبیوں کے ساتھ قوم، ملک و ملت کے لیے ان کا وجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ، انعام اور برکت کا سبب ہے۔

ان میں سے چند حضرات تو وہ ہیں، جن کی شہرت چار دایگ عالم میں ہے، ایک بڑی دنیا ان سے وابستہ ہے، ان کے افادات و فیوض کا مبارک سلسلہ برابر جاری ہے، اور کچھ نام ایسے بھی ہیں، جو اپنی قدامت، عمر اور طبقہ کے اونچا ہونے کے باوصف شہرت و ناموری سے دور ہیں، میڈیا کے زیر اثر ماحول میں رہتے ہوئے بھی، گوشہ گمنامی میں رہتے ہیں، خال خال ہی ان کا ذکر ہوتا ہے، اور کسی کسی کا ان کی مجلس سے گزر ہوتا ہے، ان سے فیض پانے والوں کا کوئی تانتا نہیں بندھا ہوتا، اس میں ان کی طبیعت کی نزاکت، صحت و ضعف کے اثرات، سہولیات کا فقدان اور شہرت کے رسمی مقامات سے دوری کو بھی دخل ہوتا ہے؛ مگر ان سب سے بڑھ کر ہم جیسوں کی

نااہلی اور ناقدری بھی ایک معلوم سبب ہے، جس کی وجہ سے محرومی ہوتی ہے۔

روشنی کے ایستادہ مینار:

وطن عزیز میں قدیم بزمِ دیوبند و سہارنپور کی جو شمعیں اس وقت جلی ہوئی ہیں، ان میں سے چند حضرات یہ ہیں:

- ۱- شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب لوہاروی دامت برکاتہم، جامعہ فاروقیہ، کراچی، صدر وفاق المدارس العربیہ، اسلامی جمہوریہ پاکستان۔
- ۲- حضرت مولانا محمد عبدالحلیم صاحب چشتی دامت برکاتہم، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔

- ۳- حضرت مولانا محمد احمد صاحب انصاری دامت برکاتہم، پیپلز کالونی، بہاولپور۔
- ۴- حضرت مولانا محمد جمشید علی صاحب دامت برکاتہم، مدرسہ عربیہ، رائے ونڈ۔
- ۵- حضرت مولانا عبدالحنان صاحب دامت برکاتہم، جہانگیرہ، ضلع نوشہرہ۔
- ۶- حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب اشرفی دامت برکاتہم، جامعہ اشرفیہ، لاہور۔
- ۷- حضرت مولانا عبدالستار صاحب تونسوی دامت برکاتہم، تونسہ شریف، ضلع ڈیرہ غازی خان۔
- ۸- حضرت مولانا خالد محمود صاحب دامت برکاتہم، اسلام آباد (مانچسٹر)۔
- ۹- حضرت مولانا محمد نافع صاحب دامت برکاتہم، محمدی شریف، ضلع جھنگ۔
- ۱۰- حضرت مولانا عبد الکریم صاحب دامت برکاتہم، کلاچی، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان۔
- ۱۱- حضرت مولانا محمد احسان الحق صاحب دامت برکاتہم، مدرسہ عربیہ، رائے ونڈ۔
- ۱۲- حضرت مولانا احمد اقبال صاحب دامت برکاتہم، جامشورو، حیدر آباد، سندھ۔
- ۱۳- حضرت مولانا مجاہد خان صاحب دامت برکاتہم، نوشہرہ کلاں، ضلع نوشہرہ، خیبر پختونخوا۔
- ۱۴- حضرت مولانا اللہ بخش صاحب دامت برکاتہم، کوٹ قیصرانی، تونسہ شریف، ضلع ڈیرہ غازیخان۔

- ۱۵- حضرت مولانا حاجی غلام حیدر صاحب دامت برکاتہم، چھوٹا لاہور، ضلع صوابی، خیبر پختونخوا۔
- ۱۶- حضرت مولانا حمد اللہ جان صاحب دامت برکاتہم، ڈاگی، ضلع صوابی۔
- ۱۷- حضرت مولانا محمد اسلم صاحب دامت برکاتہم، چھوٹا لاہور، ضلع صوابی۔

۱۸- حضرت مولانا قاری آصف صاحب قاسمی دامت برکاتہم، جامع مسجد فاروق اعظم، ناظم آباد، کراچی (کنیڈا)۔

۱۹- حضرت مولانا غریب اللہ صاحب دامت برکاتہم، مانگی، جہانگیرہ، ضلع صوابی۔

۲۰- حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب دامت برکاتہم، پراچہ ٹاؤن، کوہاٹ۔

۲۱- حضرت مولانا حضرت علی صاحب دامت برکاتہم، سوکڑی کریم خان، بنوں، خیبر پختونخوا۔

۲۲- حضرت مولانا مطلع الانوار صاحب دامت برکاتہم، شیرپاؤ، پشاور، خیبر پختونخوا۔

۲۳- حضرت مولانا مفتی محمد اشرف صاحب چانڈیو دامت برکاتہم، ٹھٹھہ، سندھ۔

۲۴- حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب دامت برکاتہم، کشروٹ، گلگت۔

۲۵- حضرت مولانا حکیم عبدالرشید خان صاحب لوہاروی دامت برکاتہم، نیوکراچی، کراچی

ان حضرات کے تفصیلی حالات جمع ہونے تک یہ موضوع تقنہ تکمیل ہے، ضرورت ہے کہ ان عظیم شخصیات سے استفادہ کیا جائے، ان کے اعذار، مصروفیات کا پورا پورا خیال کر کے، ان کی خدمت میں بصداد و احترام حاضری دی جائے اور ان کی چاہت، طبیعت کے مطابق خدمت کر کے دعائیں لی جائیں۔

بزرگانِ دیوبند کا فہم و بصیرت:

یہ حضرات ہمارے نجی، اجتماعی، تعلیمی، تربیتی، ملکی، بین الاقوامی مسائل، مشکلات اور نئے چیلنجز کے بارے میں بہت اچھی رائے رکھتے ہیں، ان کی باتوں میں، ان کے طرز و انداز میں سادگی، بے تکلفی و بے ساختگی کا فرق نمایاں ہوگا، یہ اونچے لوگوں کی شان ہوا کرتی ہے، اصحابِ بصیرت جانتے ہیں کہ ان کی سادہ گفتگو، تجاویز اور مشوروں میں کیا کیا برکتیں، حقائق پوشیدہ ہیں، جس کو ظاہر بین نگاہیں نہیں پاسکتیں۔

برکت کے ان سرچشموں سے فیض پانا، ان کی رائے کو وقعت کی نگاہ سے دیکھنا، ان کی تجاویز کو تائیدِ غیبی کا حصہ سمجھنا، ان کے وجود کو برکت و رحمت کا باعث گردانا، امتِ مسلمہ کی تعلیم و تربیت کا لازمی حصہ ہے، جس پر طبقہ در طبقہ عمل ہوتا چلا آیا ہے، اور اسی کی وجہ سے ہمیشہ امت گرداب سے نکلی ہے، مصیبتوں اور آزمائشوں میں گر کر بھی اپنی جداگانہ شناخت، شان و شوکت اور آن بان کو نہ کھوسکی۔

بزرگانِ دیوبند سے ادنیٰ نسبت رکھنے والا بھی علو اسناد، بڑے مشائخ سے نسبت اور اس کے نتیجہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب کی عظیم سعادت کو نظر انداز نہیں کر سکتا، اس قرب کے حصول کی طلب میں بھی دوسروں کی عظمتِ شان اور علو درجات کا اقرار پوشیدہ ہے، جو حقیقی رفعتِ شان رکھنے والے متواضع لوگوں کی خصلت ہے، نسبتوں کا احترام، اُس کی قدر بجائے خود ایک بڑی سعادت اور ہمیشہ خوش نصیب لوگوں کا شیوہ رہا ہے۔

مغرب زدہ یا خود پسندی کے شکار لوگ اس کو ”قدامت پسندی“، اور ”شخصیت پرستی“ سے تعبیر کرتے ہیں، وہ ان زمانہ ساز لوگوں کو راہ کی سب سی بڑی رکاوٹ سمجھتے ہیں؛ کیونکہ ان کے ہوتے ہوئے خود ان کو ترقی نہیں ملتی، لوگ ان کی باتوں پر کان نہیں دھرتے، ان کی دانشوری سے استفادہ کرنے پر راضی نہیں ہوتے۔

وہ سمجھتے ہیں کہ یہ نہ ہوں تو ان کی ملمع سازیوں اور خود پسندیوں کے لیے میدان خالی مہیا ہو، پھر جس طرح چاہیں، مذہب کی ترویج، ضرورتِ زمانہ، تعمیر و ترقی، درپیش چیلنجز، اتحاد امت، وقت کی پکار، پالیسی، مفاہمت، عالمی برادری، حالات کی نزاکت، انسان دوستی، خدمتِ خلق، سرکاری مراعات، عہدوں کی تلاش، مفادات، وسیع تر تناظر اور بیسیوں نام و عنوانوں سے لوگوں کا شکار کر سکیں، مسلک و مذہب کا تیا پانچہ کر سکیں، تصلب و چٹنگی کی مسلکی شناخت کا سودا کر کے مغرب سے داد و دہش پاسکیں، اور دوسروں کی آنکھوں میں خاک جھونک کر اپنے تئیں ترجمانِ اسلام، سفیرِ اسلام، خادمِ دین، لیڈر، ممتاز مذہبی اسکالر، محقق، دانشور، خادمِ قوم و ملت، رہبر و راہنما اور امت کے پُشتی بان بن سکیں!

بدیہی بات ہے جب کہ بڑی شخصیات اور ان کی علمیت و روحانیت نگاہ میں نہیں ہوتی، تو بے وقت مشیخت و فضیلت کے خواب دیکھے جاتے ہیں، جس کا اثر یہ ہے کہ ہم جیسے کمزور لوگوں کو دیکھ کر اب معمولی منشی درجہ کے لوگ بھی اسلامی جماعتیں بناتے ہیں، تحریکوں، انجمنوں کے سربراہ بنتے ہیں، درسِ قرآن، درسِ حدیث کی اپنے تئیں مجلسیں سجاتے ہیں، مختلف فیہ مسائل میں رائے دیتے ہیں، عربی بول چال سیکھنے سکھانے والے مفسرِ قرآن، اردو تراجم پر گزارہ کرنے والے محدث، ڈاکٹر اور فقہ سے نابلد مذہب خاس کا نام و عنوان استعمال کرتے نظر آتے ہیں؛ بلکہ منجھے ہوئے اہل علم و فن، مسلمہ اربابِ تقویٰ و بصیرت کو بھی اپنی راہ چلنے کے مشورے دیتے ہیں، ان کی شکایتیں کرتے ہیں۔

شخصیات و تاریخ دیوبند پر مزید کام کرنے کی ضرورت:

قدیم فضلا، دیوبندی یہ فہرست ابھی نا تمام ہے، جو حضرات اس حوالے سے مزید شخصیات کے بارے میں جانتے ہیں، یا کسی نام کے بارے میں اشکال رکھتے ہیں، کسی کے تفصیلی حالات معلوم ہیں، وہ اس سلسلہ کی تکمیل کر سکتے ہیں، اس میں مزید اضافہ کر سکتے ہیں، جس سے طالبان علم، مؤرخین اور سوانح نگار سب کو فائدہ ہوگا۔

ہر شخصیت کے حوالے سے دوسری تفصیلات جاننے سے پہلے یہ چند بنیادی سوانحی معلومات فراہم ہونا ضروری ہے۔

- ۱۔ صحیح نام و نسب، عرف:
- ۲۔ سن ولادت، مہینہ (ہجری، عیسوی):
- ۳۔ وطن، ابتدائی تعلیم و تربیت:
- ۴۔ دارالعلوم یا مظاہر علوم سے وابستگی، تاریخ (ہجری، عیسوی):
- ۵۔ مدت تعلیم اور سن فراغت، (ہجری، عیسوی):
- ۶۔ اساتذہ و مشائخ بالخصوص دارالعلوم یا مظاہر علوم کے زمانہ تعلیم میں:
- ۷۔ بعد از فراغت اہم مصروفیات، مشاغل:
- ۸۔ جائے سکونت، طریقہ کار برائے افادہ و استفادہ:

استاذ محترم حضرت اقدس مولانا چشتی صاحب دامت برکاتہم (فاضل دیوبند) کی رائے ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ، طبقات رجال، انواع خدمات، اثرات اور عظیم کارناموں کے حوالے سے سندی اور فنی کام کرنے کی ضرورت ابھی پوری نہیں ہوئی ہے، اس حوالے سے کئی طرح کے خطے اور خا کے تیار کیے جاسکتے ہیں، جو فنی، تاریخی ضرورتوں کے پیش نظر اہم عنوانات پر مشتمل ہوں، ان کی رعایت رکھتے ہوئے صاحب ذوق، معاصر علمی اسلوب اور تحقیقی کاموں سے عملی واقفیت رکھنے والے ارباب قلم بہتر شکل میں کام کر سکتے ہیں، جو حضرات موجود ہیں، ان کی معلومات کو تحریری شکل میں محفوظ کیا جائے، اور جو تحریریں افراد، اداروں کے پاس جہاں جہاں، جس جس شکل میں موجود ہیں، ان کو سامنے رکھا جائے، پھر اس میں عقیدت و احترام کے اظہار سے پہلے فنی اور سوانحی ضروریات، تاریخی حوالوں پر نگاہ مرکوز کی جائے، جس طرح اسماء الرجال

اور طبقات کی کتابوں میں ہوتا رہا ہے۔

اس عظیم کام کے لیے پہلے مصادر اور مراجع کی تعیین کرنی ہوگی، اور ہر مصدر و مرجع کی فنی، تاریخی حیثیت پر گفتگو ہوگی، اسی طرح یہ مصادر و مراجع، جو تحریرات اور شخصیات کی صورت میں موجود ہیں، ان کے اماکن، دستیابی کی یقینی اور ممکنہ جگہوں، شخصیات کے نام و پتے، طریقہ استفادہ وغیرہ کو بتایا جائے گا، متعلقہ افراد کو وسعت ظرفی اور عالی ہمتی کا مظاہرہ کرنا ہوگا، تبادلہ معلومات کی نئی نئی شکلوں کو اختیار کرنا ہوگا، جس کے نتیجے میں دیوبند کا تذکرہ اور تاریخ مرتب ہو سکے گی، جس کی سندی، فنی اہمیت ہوگی، یہ خطے اور خاکے، مصادر و مراجع کا تعارف، طبقاتی تاریخ، معلوماتی فہرستیں اور تذکرے عربی، اردو اور انگریزی تینوں زبانوں میں تیار کرنے کی چیزیں ہیں، اس کی ضرورت سب کو ہے اور ہر جگہ ہے۔

دوہم عصور کی ایک صدی:

تاریخ حیرتوں اور عجائبات کا سمندر اپنے اندر رکھتی ہے، معاصر عظیم شخصیات دارالعلوم دیوبند میں ایک ایسی جوڑی بھی ہے، جس کی رفاقت و ہم عصری ایک صدی پر محیط ہے، جو نہ صرف ایک ہی سال دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، ایک ہی درس گاہ میں برابر پڑھتے رہے، آپس میں خوب دوستی، تعلق رہا، ایک ہی سال ان کی فراغت ہوئی، بلکہ ان کی پیدائش کا سال بھی ایک ہی ہے، اور اس سے بھی بڑھ کر دونوں ساتھیوں کو ایک صدی پر محیط طویل عمر بھی نصیب ہوئی، یہ جوڑی دارالعلوم دیوبند اور اکابر دارالعلوم دیوبند کے حالات، واقعات، روز و شب، نشیب و فراز کی شہاد اور چلتی پھرتی تاریخ ہے۔

ان دونوں میں سے ایک سے تو دنیا واقف ہے، ان کے جاننے والے بہت ہیں، لوگ ان کو حضرت مولانا مرغوب الرحمان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام نامی سے یاد کرتے ہیں، جو دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کے منصب جلیل پر فائز تھے، اور حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعد ”امیر الہند“ قرار دئے گئے تھے، ابھی حال ہی میں ان کا یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ، مطابق ۸ دسمبر ۲۰۱۰ء، بدھ کے روز اپنے وطن بجنور میں انتقال ہوا، جمعرات کی شب دارالعلوم میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی، اور قبرستان قاسمی میں اکابر دیوبند کے پاس آسودہ خاک ہوئے۔

دوسری شخصیت جواب اکیلی رہ گئی ہے، ان کے جاننے والے کبھی بہت تھے، ان کے

قدر دان بھی بڑے لوگ تھے، مگر ان سے واقف لوگ اب کم ہی رہ گئے ہیں، کبھی تو ان پر شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شفقتیں ہوتی تھیں، حضرت کشمیریؒ کی زیارتیں، حضرت محدث دیوبندیؒ، حضرت حکیم الامت علامہ تھانویؒ، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، حضرت شیخ الادب صاحبؒ، حضرت بلباوی صاحبؒ، حضرت قاری صاحبؒ، حضرت ابوالحسن سجاد صاحبؒ، آزاد صاحبؒ، حضرت میرٹھی صاحبؒ، حضرت عثمانی صاحبؒ، حضرت لاہوریؒ اور اس عہد کے دوسرے بزرگوں کی صحبتیں، مجلسیں اور عنائیں ہوا کرتی تھیں، اور حضرت سیوہارویؒ، حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ، حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ، حضرت بدر عالم صاحب میرٹھیؒ، حضرت عبدالحق نافع صاحبؒ، حضرت عبدالحق نافع صاحبؒ، حضرت بنوری صاحبؒ، حضرت پھولپوری صاحبؒ کی رفاقتیں ہوتی تھیں، اس دور کے دوسرے بزرگوں، مشائخ کی نیاز و محبت پانے کی شکلیں ہوتی تھیں، مگر گئے وقتوں کے ساتھ ان کی باتیں بھی جاتی رہیں، صرف یادیں باقی رہ گئیں۔

تاہم اب بھی حضرت اقدس مولانا چشتی صاحب دامت برکاتہم، حضرت اقدس صدر وفاق دامت برکاتہم اور ان کے متعلقین اپنے بزرگوں کی نسبتوں کے احترام میں ان کے پرسانِ حال رہتے ہیں، زیارت و ملاقات کرتے ہیں یہ ان کا ظرف ہے اور اپنے بزرگوں کی نسبتوں کے احترام اور قدر دانی کی عملی تعلیم جو وہ اپنے متعلقین کو دینا چاہ رہے ہیں۔

ایک شمع فروزاں:

”تاریخ دارالعلوم دیوبند“ میں مہتمم دارالعلوم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس شاگرد کا ”اسماء گرامی حضرات مدرسین درجہ فارسی“ کی فہرست میں اٹھارویں نمبر پر یوں ذکر کیا ہے، ”مولانا صلح الحسین مدظلہ، گلاؤٹھی، ابتدائی سن ۱۳۶۲ھ تا آخری سن ۱۳۶۷ھ“۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند، از حضرت حکیم الاسلام، مہتمم دارالعلوم، ص: ۱۱۶، طبع: دار الاشاعت، کراچی، ستمبر ۱۹۷۲ء) اس فہرست میں حضرت مولانا محمد یاسین صاحب دیوبندی، رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت مولانا خلیفہ منشی عاقل صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام نامی بھی موجود ہیں، حضرت والا اس وقت بھی الحمد للہ اپنی نقاہت و علالت، پیرانی سالی کے باوصف ہمارے درمیان موجود ہیں، موصوف کی ولادت حضرت اقدس مولانا سید محمد صالح صاحب مرحوم کے گھر ضلع بلندشہر کے قصبہ گلاؤٹھی میں بروز جمعرات، ۲۶/محرم الحرام ۱۳۳۲ھ، مطابق

۲۵/ دسمبر ۱۹۱۳ء کو ہوئی، والد صاحب حضرت اقدس گنگوہیؒ سے بیعت تھے، حضرت کے دادا حضرت مولانا صوفی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ گلاؤٹھی میں حضرت سالار مسعود غازی رحمہ اللہ تعالیٰ کی جامع مسجد میں واقع اس مدرسہ منبع العلوم کے بانیوں میں شامل تھے، جہاں ان کے بقول حجۃ الاسلام علامہ نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ دہلی سے تکمیل کے بعد تدریس سے وابستہ ہوئے تھے، حضرت اقدس مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اسی مدرسہ کے پڑھے ہوئے تھے، شاید اسی وجہ سے موصوف کا ان سے تعلق خاطر تھا، گلاؤٹھی کا علاقہ تحریک آزادی کے مجاہدین کا تھا، جس کی وجہ سے حضرت نانوتویؒ کو ان سے خاص تعلق تھا، محل وقوع کے اعتبار سے بھی شاملی، میرٹھ وغیرہا جہاد و مجاہدین کے دوسرے مراکز قریب ہی واقع تھے۔

خود فرماتے ہیں: [غالباً] تیرہ سال کی عمر تھی، فارسی پڑھ رہا تھا، شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ گلاؤٹھی تشریف لائے تھے، موصوف کے والد حضرت کے پیر بھائی اور عمر میں ان سے چار سال چھوٹے تھے، دونوں ایک ہی سال قطب عالم حضرت گنگوہیؒ سے بیعت ہوئے تھے، حضرت مدنی نے ازراہ شفقت، خوش طبعی درجہ فارسی کی مناسبت سے کچھ سوالات بھی کیے تھے، جس کو کبھی کبھی بڑی محبت سے سناتے ہیں۔ یہ پہلی زیارت و ملاقات تھی، جس کے بعد عمر بھر کے تعلق اور نسبتوں کی سبیل پیدا ہوئی، تقریباً ۱۹۲۷ء کے لگ بھگ دارالعلوم دیوبند آئے، حضرت علامہ کشمیری صاحبؒ ڈابھیل چلے گئے، تو ۱۹۳۲-۳۱ء میں حضرت مدنی، حضرت میاں اصغر حسین صاحب، حضرت بلیاوی صاحب، حضرت شیخ الادب صاحب، حضرت قاری صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم اکابرین سے دورہ حدیث پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

حالات و واقعات:

دورہ حدیث میں حضرت مولانا زاہد الحسینی صاحب، حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب مہاجر مدنی بن حضرت لاہوری، حضرت مولانا ایوب جان صاحب بنوری، حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی، حضرت مولانا مرغوب الرحمان صاحب، رحمہم اللہ تعالیٰ اور حضرت اقدس مولانا عبدالحنان صاحب دامت برکاتہم [غالباً] ان کے ہم درس رہے، جو بجائے خود عظیم شخصیات ہیں، ان کی اپنی ایک تاریخ ہے، کیا عجیب پر نور ماحول ہوتا ہوگا، جب اس طرح کی عظیم شخصیات شاگردوں کی نشستوں پر بیٹھے زانوئے تلمذتہ کرتی ہوں گی، تو مسندِ درس پر بیٹھنے والے اساتذہ

کا مقام کیا ہوگا! ہے کوئی درس گاہ روئے زمین پر جو پچھلے ڈیڑھ سو سال میں اس طرح کی تابناک تاریخ رکھتی ہو؟

حضرت مولانا سید محمد صالح الحسینی صاحب دامت برکاتہم بائیس برس کی عمر میں نواب حمید اللہ خان کے زمانہ میں ریاست بھوپال میں شرعی عدالت علیا کی مجلس علماء کے لیے منتخب ہوئے تھے، اس عالی منصب کے لیے مطلقاً انتخاب بھی بڑے فخر کی بات ہوا کرتی تھی، بڑے بڑے اہل علم ہی اس منصب کے لیے اہل قرار دئے جاتے تھے؛ چہ جائیکہ بائیس سال کی عمر میں اس کے لیے منتخب ہو جانا!؛ مگر بدخواہوں کی بات چل گئی، تو اس پر رنجیدہ خاطر ہوئے، حضرت شیخ الاسلام کو خبر دی، حضرت شیخ الاسلام نے جواب میں جو خط لکھا، اس میں جس شفقت آمیز لہجہ میں ان کو صبر کی تلقین کی، وہ خط ان کی زندگی کی قیمتی متاع ہے، اس میں ”عزیزم“ کا محبت بھرا خطاب بھی ہے، جو ان کے بقول بہت کم کسی کے نصیب میں ہے۔

موصوف دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۶۲ھ سے لے کر ۱۳۶۷ھ تک درجہ فارسی کے مدرس رہے، حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اسی عرصہ میں مدرس عربی مقرر ہوئے تھے، جن کے پاس دورہ حدیث تک کے اسباق تھے، فہرست مذکور کی کئی نامور شخصیات بھی ان کے تلامذہ میں شامل ہیں، ”مدرس درجہ فارسی“ اور ”مدرس عربی“ دارالعلوم کی اپنی خاص اصطلاحات ہیں، درجہ فارسی میں مثنوی، سکندر نامہ وغیرہ پڑھاتے رہے، کئی شخصیات ان کے شاگردوں کی فہرست میں آتی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند اور حضرت شیخ الاسلامؒ سے جو تعلق خاطر تھا، اس قربت کے پیش نظر کبھی جدائی کا خیال نہیں آسکتا، حضرت کی خدمت میں رہتے، حضرت ہی نے شادی کرائی، تقریب میں شریک رہے؛ بلکہ اخراجات تک کا بندوبست کیا، لیکن بعض اضطراری حالات کی بنا پر اس جدائی کو برداشت کرنا پڑا، تقسیم ہند کے بعد پہلے اپنے چھوٹے بھائی مفتی اکمل صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو ساتھ لے کر ہمشیرہ صاحبہ کو پاکستان چھوڑنے آئے، اس کے بعد واپس چلے گئے، پھر ان کی بیماری کی خبر آئی، چونکہ بچپن میں والدہ محترمہ کا انتقال ہوا تھا، ہمشیرہ سے تعلق ماں جیسا تھا؛ اس لیے ان کے پاس آگئے، اس وقت تک بغیر پرمٹ آمدورفت ہوا کرتی تھی، دوبارہ پاکستان آنے کے بعد پرمٹ کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب ”انفع“ رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرح موصوف کے لیے بھی دوبارہ آسانی جانے کے راستے تقریباً مسدود ہو گئے؛ اس کی وجہ سے

چارونا چار دیوبند اور حضرت شیخ الاسلامؒ کی حسرتیں دل ہی دل میں رکھ کر یہیں کے ہو رہے، ان دنوں نقل مکانی کے دوران دونوں طرف نہایت خون خرابہ ہوا تھا، حضرت سے خاص تعلق خاطر، ان کی شفقت الگ سے تھی، اپنی خاص مجلسوں میں نہایت درد بھرے لہجے میں ان کے لیے دعا کی۔

نقل مکانی کے بعد ذوق و مزاج کے برخلاف نئے ماحول کی زندگی میں کئی نشیب و فراز آئے، اپنوں اور پرائیوں کو دیکھا پرکھا، شغل و مصروفیت کے کئی سلسلوں سے وابستگی کا خیال باندھا، دارالتصنیف حب ریور روڈ سے منسلک رہے، حضرت علامہ بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بینات میں کام کرنے کو کہا، بعض جگہ درس حدیث کی بھی بات چلی؛ مگر بوجہ ایسا نہ ہوسکا، علمی مصروفیت کا کوئی ایک جلی عنوان قائم نہ ہوسکا، ویسے بھی ہم لوگوں کا مزاج یہ ہے کہ استفادہ کے لیے تو مسندوں کو تلاش کرتے ہیں، مگر مسندوں کے لیے شخصیات کو ڈھونڈ نکالنا، گویا کسی ابھری ہوئی شخصیت سے انماض برتنا خیال کرتے ہیں، خود دارالعلوم دیوبند میں چوٹی کے اساتذہ حضرت کشمیریؒ، حضرت مدنیؒ، حضرت مہدی حسن صاحبؒ وغیرہم کا انتخاب رسمی تکمیل کے کئی سال بعد ہوا تھا، اور اصحاب مسند مشائخ نے ہی بلا کر کیا تھا۔

صحافت حضرت کا خاص موضوع رہا ہے، کلکتہ میں مولانا ابوالحسن سجاد صاحبؒ کی سرپرستی میں ”البلاغ“ میں کام کرتے رہے، ان کی غیرت ایمانی اور جذبہ جہاد کا ذکر فرماتے ہیں، مولانا آزاد صاحبؒ سے صحبتیں رہیں، ان کا انٹرویو لیا تھا، الجمعیت دہلی میں بھی لکھتے رہے، جمعیت علماء ہند سے تعلق تھا، تحریک آزادی میں حصہ لیا، جیل بھی جانا پڑا، لیگ و کانگریس کے داخلی معاملات سے بھی خوب واقفیت رہی، بایں ہمہ حضرت تھانویؒ، حضرت سلیمان ندویؒ، حضرت شیخ الاسلام عثمانیؒ، وغیرہم حضرات کی صحبتوں سے بھی فیضیاب ہوئے، دوسری طرف کے بزرگوں میں تو گویا وہ جی رہے تھے، اور انہی کا ذوق و مزاج پایا۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کے سیاسی مسلک کے حوالے سے ان کی معلومات اس وقت سند کا درجہ رکھتی ہیں، وہ ایک مکمل ڈائری ہیں، سفر و حضر کے اتنے قریب سے دیکھے، سنے ہوئے واقعات، حالات کے بارے میں بالخصوص حضرت شیخ الاسلامؒ اور جمعیت علماء ہند کے دیگر اکابر و اصغر کے ذوق و مزاج، طرز و طریقہ کار کو سمجھنے والے کم از کم پاکستان میں باستثناء حضرت مولانا مجاہد خان صاحب دامت برکاتہم شاید اب کوئی نہ ہو، ماضی میں دارالعلوم دیوبند بالخصوص شیخ الاسلام اور جمعیت علماء ہند کے دوسرے اکابر کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے، یا حال میں ڈائریاں مرتب

ہوئی ہیں، ان کے بارے میں ان ”قدما“ کے مختصر جملے، محتاط آراء نہایت بالغ نظری کا نمونہ ہوتی ہیں، جن میں اختصار و اجمال کے باوجود تاریخی جرح و تعدیل کا مزاج رکھنے والے محققین کے لیے نہایت اہمیت کے حامل اشارے ہوا کرتے ہیں، کئی باتوں کی کڑیاں مل جاتی ہیں، لکھنے والوں کی قد کاٹ کا اندازہ ہو جاتا ہے اور واقعات و حالات کے نئے نئے گوشے سامنے آ جاتے ہیں۔

امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمان صاحب بن حضرت مولانا حکیم مشیت اللہ صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ بجنوری، مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی بن حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمہما اللہ تعالیٰ، امیر شریعت بہار اور حضرت مولانا محمد صالح صاحب الحسینی دامت برکاتہم تینوں حضرات کا سن ولادت (۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۳ء) ایک ہونے کے علاوہ فراغت کی تاریخ (۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۲ء) بھی ایک ہے، چند مہینوں کے فرق کے ساتھ مؤخر الذکر بڑے بھی ہیں اور طویل العمر بھی، ان بزرگوں میں خوب محبت، تعلق کا رشتہ قائم رہا، خود فرماتے ہیں، مولانا مرغوب الرحمان صاحب سے کبھی نوک جھونک ہوتی تو میں کہتا: میں تم سے عمر میں بڑا ہوں؛ کیونکہ میری پیدائش محرم میں ہوئی ہے، تمہاری بعد میں، امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی کا انتقال ۳، رمضان ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۹، مارچ ۱۹۹۱ء کو ہوا، ان دو حضرات کی جوڑی باقی رہی، حضرت مولانا مرغوب الرحمان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات یکم محرم الحرام، بدھ کے روز ہوئی، منگل کے روز ۷ دسمبر کو ان کے صاحبزادے مولانا محبوب الرحمان صاحب سے فون پر بات ہوئی، موصوف اس وقت اپنے وطن بجنور میں والد گرامی قدر کی خدمت میں حاضر تھے، دونوں ساتھیوں نے ایک دوسرے کی خیر خیریت دریافت کی اور دعاؤں کے لیے ملتی ہوئے، یہ گفتگو آخری ثابت ہوئی۔

حضرت والا گلشن اقبال، کراچی میں برخوردار محترم جناب سید طہ صاحب کے ساتھ رہائش پذیر ہیں، تفصیلی حالات ہنوز مرتب ہونا باقی ہیں، حضرت مفتی مظہر اسعدی صاحب (بھاولپور) اور دیگر کئی حضرات کی ان سے ملاقاتیں ہیں، یہ سب معلومات جمع ہونے کے بعد تفتیح و ترتیب دے کر سوانحی خاکہ تیار کیا جاسکتا ہے، جس کے لیے قارئین سے معلومات بہم پہنچانے کے ساتھ ساتھ دعاؤں کی بھی درخواست ہے، کہ اس کی توفیق کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا، اللہ کرے کہ ہمیں ان بزرگوں کی برکات، علوم و معارف سے بیش از بیش مستفید ہونے کی توفیق عنایت ہو اور تادیر ان حضرات کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رہے، اللہم آمین!